۱۸

حضور ﷺ کی بلند شان

(فرمودہ ۱۰/جون ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

پچھلے دنوں میں نے درس کے موقع پر قادیان میں ایک رسالہ کا ذکر کیا تھا۔ جس میں رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق اس قدر گندے الفاظ استعمال کئے گئے تھے جو کسی شریف الطبع انسان کی زبان اور قلم سے نہیں نکل سکتے۔ ایسے الفاظ کا استعمال خود استعمال کرنے والے کی گندی فطرت پر تو دلالت کرتا ہے لیکن ان کا اثر اس شخص پر کچھ نہیں پڑ سکتا جس کو برا کہا گیا۔ مگر باوجود اس کے ہر اس شخص کا جو اس ذات سے تعلق محبت رکھتا ہو جسے برے الفاظ سے یاد کیا گیا ہو فرض ہے کہ وہ اپنے محبوب اور محسن کی ہتک کے برخلاف آواز اٹھائے۔ گو جیسا کہ میں نے بتایا اس کی گالیوں کا اثر آنحضرت ﷺ پر نہیں پڑ سکتا۔ چاند پر تھوکنے والا چاند پر تھوک نہیں ڈال سکتا۔ وہ تھوک اس کے ہی منہ پر پڑتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی شان تو وہ ہے جس کے سامنے چاند اور سورج بھی گرد ہیں۔ ایک غیر متلو الہام کے ذریعہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹ و مجمع الانوار جلد ۳،۴ صـ۵۱۲) اگر تیرے جیسے عظیم الشان انسان کی پیدائش مد نظر نہ ہوتی تو میں زمین اور آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔ پس زمین اور آسمان کی پیدائش جس وجود کی وجہ سے ہوئی۔ اسے گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا اس کی ہتک نہیں۔ بلکہ اس شخص کی اپنی ہتک ہے جو گالیاں دیتا اور برا بھلا کہتا ہے۔

لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس فطری تقاضا کی وجہ سے میں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور خدا کا فضل ہے کہ وہ رسالہ ضبط ہو گیا۔ اور اس مضمون کا لکھنے والا اور اس رسالہ کا ایڈیٹر دونوں

گرفتار ہو گئے۔ اور بعد میں ہمارا اشتہار بھی ضبط ہو گیا۔

لیکن ہمارے سامنے یہ بات نہیں کہ زید یا بکر قید ہو جائے۔ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں فائدہ اگر ہے تو اس میں کہ کوئی ایسی ناپاک آواز سننے والا نہ رہے جیسی اس رسالہ میں بلند کی گئی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی آواز نہیں اٹھتی جب تک اس کے اٹھانے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس آواز کو سننے والے موجود ہیں۔ پس ہمارا فائدہ اس میں نہیں کہ کوئی قید ہو جائے۔ بلکہ اس میں ہے کہ کوئی اس آواز کو سننے والا نہ رہے۔

جس شخص کے پیچھے خدا تعالیٰ کی آواز محرک کے طور پر نہیں ہوتی وہ کوئی ایسی آواز نہیں اٹھاتا جسے قبول کرنے والے لوگ موجود نہ ہوں سوائے اس کے کہ وہ پاگل ہو۔ پس ورتمان کے ایڈیٹر اور اس کے نامہ نگار جیسے لوگ جب گندے اور ہتک آمیز فقرے استعمال کرتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ پبلک میں سے ایک حصہ ضرور ان کے فعل کو بنظرِ استحسان دیکھے گا اور اسے کار ثواب سمجھے گا۔ پس جنہوں نے مضمون لکھا اور شائع کیا۔ اور جنہوں نے اسے بہ نظر استحسان دیکھا۔ ان میں فرق یہ ہے کہ پہلوں نے اپنے خیالات کو ظاہر کر دیا۔ اور دوسروں نے انہیں دماغ پر کندہ کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں ہمارے لئے برابر ہیں۔ کسی وفات یافتہ شخص کے متعلق ایک جماعت کا یہ سمجھتے رہنا کہ وہ چور ہے۔ اور ایک جماعت کا اسے ظاہر کر دینا اس کی حقیقی عزت کو مد نظر رکھتے ہوئے برابر ہے۔

اصل چیز دل ہے۔ اگر دلوں میں کسی کے حسن کی قدر نہیں اور اس کا اعتراف نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ حسن جلوہ گر نہیں ہوا۔ پس جب تک کہ قلوب کی اصلاح نہ کی جائے اور ان میں یہ یقین نہ پیدا کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ایسی پاک ہے کہ اس کا نمونہ دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ اس وقت تک ہمیں خوش نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایسے اشخاص کو جو آپ ﷺ کے متعلق برے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ہتک آمیز فقرے لکھتے ہیں۔ جیسے کہ "ورتمان" اور اس کے نامہ نگار نے لکھے۔ دو نہیں، دس نہیں، سو نہیں، پچاس ہزار سال کے لئے بھی گورنمنٹ قید کر سکتی ہو اور ایسا کر دے۔ تو اس سے ایک مسلمان کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کیونکہ جس شخص نے رسول کریم ﷺ کے متعلق اپنے برے خیالات کو ظاہر کیا ہے اس نے رسول کریم ﷺ کے متعلق کوئی نیا پہلو اختیار نہیں کیا۔ بلکہ صرف ہمارے احساسات کو صدمہ پہنچایا ہے۔ اس لئے اس کے قید ہونے سے رسول کریم ﷺ کی عزت نہیں بڑھتی۔ بلکہ جو صدمہ ہمارے احساسات کو پہنچایا گیا تھا اس کا

ازالہ ہوتا ہے۔ چنانچہ گورنمنٹ کا قانون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ گورنمنٹ کا قانون یہ نہیں کہ ایک معزز شخص کو برا کہنے پر ایسا آدمی سزا پاتا ہے بلکہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اس بزرگ کے ماننے والوں کے دلوں کو تکلیف دیتا ہے اس لئے اسے سزا دی جاتی ہے۔ پس سزا رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لئے نہیں ہے بلکہ ہمارے احساسات کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور جو شخص رسول کریم ﷺ کی بدگوئی کرنے والے کی سزا پر خوش ہو جاتا ہے وہ رسول کریم ﷺ کی عزت پر اپنے احساسات کو مقدم کرتا ہے۔

ہمیں کسی کے قید ہونے پر نہیں بلکہ اس امر پر خوشی ہونی چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق جو لوگوں کو بدظنیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ دور ہو جائیں اور اپنی تمام تر کوششیں ہمیں اسی امر کے لئے صرف کر دینی چاہئیں۔ پس میں اپنی جماعت کے دوستوں کو بھی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ کوئی خوشی نہیں کہ ورتمان کا ایڈیٹر یا اس کا نامہ نگار قید ہو جائیں۔ اور پھر یہ بھی تو ابھی معلوم نہیں کہ وہ ضرور ہی قید ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قید نہ ہوں۔ کیونکہ صوبہ کی عدالت عالیہ کا ابھی ایک فیصلہ ہو چکا ہے جس میں ایک ایسا ہی شخص بری کر دیا گیا ہے اور اگر ماتحت عدالتیں انہیں قید بھی کر دیں۔ تو ممکن ہے کہ ان کے فیصلہ کے خلاف اپیل ہو اور وہ کسی ایسے جج کے سامنے پیش ہو جو اس مضمون کے متعلق یہی سمجھتا ہو کہ اس سے منافرت پیدا نہیں ہوتی تو ایسا جج پھر یہی فیصلہ کر دے گا جو صوبہ کے اعلیٰ حاکم نے حال میں کیا اس لئے ہمارے لئے اس وقتی خوشی میں فائدہ نہیں۔

اگر ہم رسول کریم ﷺ سے محبت رکھتے ہیں تو ہماری خوشی اس میں ہونی چاہئے۔ کہ ہم دنیا سے رسول کریم ﷺ کی نسبت شکوک و شبہات کو دور کرنے میں کامیاب ہوں۔ سچی محبت قربانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ کسی شخص کے قید ہو جانے میں ہم کون سی قربانی کرتے ہیں۔ قید گورنمنٹ کراتی ہے۔ پس اس فعل میں اگر کوئی خوبی ہے تو اس کی مستحق گورنمنٹ ہے نہ کہ مسلمان۔ مسلمان تب ہی سرخرو ہو سکتے ہیں جب کہ وہ رسول کریم ﷺ کی محبت کا عملی ثبوت دیں۔ اور آپ ﷺ کی عزت کے قیام کے لئے اپنے اوقات اور اپنے اموال خرچ کر کے دکھائیں جو شخص صرف کسی کے قید ہونے پر تسلی پا جاتا ہے۔ اور رسول کریم کی عزت کے قیام کے لئے خود کوئی کوشش نہیں کرتا وہ اپنے محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور اس کی محبت کی خدا تعالیٰ کے نزدیک اور اہل دل کی نگاہ میں ایک ذرہ بھر قدر نہیں۔ پس میں عام مسلمانوں کو عموماً اور اپنی جماعت کے لوگوں سے خصوصاً

کہتا ہوں کہ ہمیں یہ مقصد سامنے رکھنا چاہئے کہ اسلام پھیلے اور آنحضرت ﷺ کی براءت ہو۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ اشخاص قید ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے گالیاں تو دے لیں اور یہ گالیاں اب واپس نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ وہ قید ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ لوگوں کے خیالات کو تبدیل کریں۔ اور میں کئی بار اعلان کر چکا ہوں کہ وہ کوشش تین طریق سے ہو سکتی ہے۔ اول تبلیغ کے ذریعے دوم اپنے نفس کی اصلاح سے سوم اقتصادی اور تمدنی حالت کی درستی سے۔ یہ تین باتیں ہیں۔ جن سے لوگوں کے خیالات تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو دولت اور روپیہ کا گھمنڈ ہے۔ اور وہ اس زور اور گھمنڈ کی بناء پر مسلمانوں کو بالکل ذلیل خیال کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہمارے غلام بلکہ غلاموں کے بھی غلام ہیں۔ اس لئے ایسی گندی تحریریں شائع کرنے والے مسلمانوں کو تکلیف دینے یا صدمہ پہنچانے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ ان کی قوم لاکھوں روپے مقدمات پر خرچ کرنے کے لئے تیار ہے۔

میں نے چوہڑوں کے بھی تمام افراد کو گندہ نہیں دیکھا وہ بھی سارے کے سارے گندے نہیں۔ تو کیا ہندو قوم جو بہت بڑی قوم ہے ساری کی ساری گندی ہو سکتی ہے۔ اس قوم میں بھی شریف آدمی ہیں۔ لیکن وہ شریر آدمیوں سے دبے ہوئے ہیں۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی تعداد گالیاں دینے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اور اگر ان پر تمدنی زور ڈالا جائے۔ تو وہ ان لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے جو ان میں سے شریر ہیں۔ اور اس کا اثر یہ ہو گا کہ خود بخود گالیاں دینے والے بیٹھ جائیں گے۔ مسلمان تو ان گالیاں دینے والوں کو جو کچھ برا بھلا کہیں گے سو کہیں گے۔ ان تدابیر کے نتیجہ میں خود ان کی اپنی قوم ہی ان کو برا سمجھے گی اور انہیں ملامت کرے گی۔ پس بجائے اس کے کہ ہم بے اثر طریقے اختیار کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ہندو قوم کے اس شریف طبقہ پر تمدنی زور دیں۔ اور جب وہ طبقہ اس بات کو سمجھ لے گا کہ دوسری اقوام کا دل دکھانا آسان نہیں ہے۔ اور اس سے قومی نقصان پہنچتا ہے۔ تو وہ خود اپنی قوم کے بداخلاق لوگوں کو ان کے افعال سے روکے گا۔ اور وہ لوگ اپنے گندے افعال سے باز آ جائیں گے۔

اس کے بعد میں ایک اور اہم سوال کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ کے ایک ذمہ دار افسر نے ہماری جماعت کے چند دوستوں سے ملاقات کے وقت ایک سوال کیا ہے جو میرے نزدیک بہت نامناسب تھا۔ ان صاحب نے جن کی میں ذاتی طور پر بہت عزت

کرتا ہوں۔ ہماری جماعت کے چند آدمیوں سے عند الملاقات کہا۔ جب ملک کی ہوا خراب ہو رہی تھی تو آپ لوگوں نے ورتمان کے متعلق اشتہار کیوں شائع کیا۔ کیوں نہ مجھے ورتمان لاکر دیا کہ میں خود کارروائی کرتا۔ (مجھے ان صاحب کے اس قول سے اختلاف ہے کہ گورنمنٹ ایسی تحریرات پر نوٹس لیتی ہے۔ بسا اوقات گورنمنٹ باوجود توجہ دلانے کے کوئی نوٹس نہیں لیتی۔ اور یہ بات ملک کے امن کو برباد کرنے کا موجب ہو جاتی ہے) جب ان دوستوں کی طرف سے یہ کہا گیا کہ ہمیں قادیان سے ہمارے امام کی طرف سے ہدایت آئی تھی کہ یہ اشتہار شائع کر دیا جائے اس پر ان صاحب نے کہا تو کیا پھر یہ دلچسپ بات گورنمنٹ کے نوٹس میں لاؤں کہ آپ لوگ اپنے امام کی ہدایت کے ماتحت قانون کی خلاف ورزی کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ ہماری جماعت کے آدمیوں نے جواب دیا کہ اگر تو یہ دھمکی ہے تو آپ بے شک ایسا کریں۔ لیکن اس بات سے کہ مرکز سے ایک پوسٹر آیا اور اس کی اشاعت کر دی گئی۔ یہ بات نہیں لازم آتی کہ امام جماعت خود یا ان کی ہدایت کے ماتحت جماعت احمدیہ قانون شکنی پر آمادہ ہے۔ یہ قول در حقیقت اپنے اندر ایک سوال رکھتا ہے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا جب امام جماعت احمدیہ اور گورنمنٹ کے احکام آپس میں ٹکرا جائیں تو تم پھر بھی امام جماعت احمدیہ کی بات مانو گے؟

میرے نزدیک اس مخفی سوال کا جواب جو کچھ دینا چاہئے تھا وہ ہمارے دوستوں نے نہیں دیا۔ اگر اسی رنگ میں حضرت خلیفہ اول کے وقت میں مجھ سے کوئی افسر سوال کرتا تو میں اسے کہتا کہ احمدی تعلیم کے ماتحت یہ ممکن ہی نہیں کہ سلسلہ احمدیہ کے امام اور گورنمنٹ کے احکام میں اختلاف ہو جائے۔ لیکن اگر آپ فرض کے طور پر پوچھتے ہی ہیں۔ تو پھر میں یقیناً اس کے مقابلہ میں جو دنیوی سلطنت کا قائم مقام ہے اس کی بات مانوں گا جو آسمانی بادشاہت کا قائم مقام ہے۔ اگر کوئی افسر مجھے اس سوال کا جواب دینے پر مجبور کرتا تو بے شک میں یہی جواب دیتا۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ سوال ہی بالکل غلط ہے۔ میری حیثیت جماعت احمدیہ میں امام اور خلیفہ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں دینی امور میں حکم دینے والا ہوں۔ اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو نبی کے ماتحت ہے اور نبی کے بعد اس کی جماعت کی دینی طور پر تنظیم، ترقی، اور تعلیم و تربیت کلی طور پر اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ایک ایسے شخص سے جو اس امام اور خلیفہ کا ماننے والا ہے یہ سوال کرتا ہے کہ تم خدا کے قائم مقام کی بات مانو گے یا ہماری۔ تو وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ سائل کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے۔ کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو مانتا ہو۔ وہ ایسے موقع پر یہی کہے گا کہ میں دینی امور

میں امام کی یا خلیفہ کی بات مانوں گا۔ کیونکہ وہ بالواسطہ خدا تعالیٰ کا قائم مقام ہے۔

لیکن یہ خیال پیدا ہی کیوں کیا جائے کیا ایک سکھ سے حکام وقت یہ پوچھتے ہیں کہ تم اپنے گورو کی بات مانوگے یا ہماری۔ وہ ایسا سوال نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب ایک سکھ کے دماغ میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ گورو اور حکومتِ وقت میں ٹکراؤ ہو سکتا ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ میں آپ کی نہیں مانوں گا اپنے گورو کی مانوں گا۔ پس ایسا افسر جو اس قسم کے سوال کرے۔ در حقیقت خیالات کی ایک ایسی رو چلاتا ہے جو ملک کے امن کو برباد کرنے والی ہے۔ وہ ان خیالات کی طرف لوگوں کے افکار کو پھیرتا ہے جن کی طرف پہلے انہیں کوئی توجہ نہ تھی اور لوگوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ایسی بات کہیں جو حکومت کے رُعب کے خلاف ہو۔ ایک دوست اگر اپنے دوست سے یہ سوال کرے کہ اختلاف کی صورت میں تم میری بات مانوگے یا اپنے باپ کی تو اسے ایک ایسا جواب سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے جو اس کے دل کو تکلیف دے گا کیونکہ اس کا سوال ہی ایسا ہے جس کے دو جواب نہیں ہو سکتے۔ اور جو جواب اس کا دیا جا سکتا ہے وہ ضرور اس کے دل کو تکلیف دینے والا ہوگا۔ کیونکہ کوئی دوست یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ اس کا دوست اسے اپنے والد پر ترجیح دے گا۔ غرض سوال نہایت بے موقع اور نادرست تھا۔

لیکن جو جواب اس کا دیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں جواب یہ دینا چاہئے تھا کہ گورنمنٹ کی وفاداری ہم کو کس نے سکھائی ہے آخر ہماری وفاداری جسے آپ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں وہ ہمیں حضرت مسیح موعودؑ اور ان کے خلفاء ہی نے سکھائی ہے۔ ورنہ ہم بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جو گورنمنٹ کی ایسی وفاداری کے قائل نہیں جس کے ہم ہیں۔ اور تعلیم نے ہمارے افکار میں بھی وہی تغیر پیدا کیا ہے۔ جو کہ دوسروں کے افکار میں پیدا ہو رہا ہے۔ پس اگر آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ ہمارا امام باوجود وفاداری کا معلم ہونے کے گورنمنٹ کے خلاف حکم دے گا۔ تو پھر ہم سے جو شاگرد ہیں کیا امید رکھ سکتے ہو۔ اگر سرچشمہ بگڑ سکتا ہے تو پھر ہم بھی بگڑ سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری یہ تعلیم نہیں ہے کہ حکومتِ وقت کا مقابلہ کرنا چاہئے بلکہ ہمارا مذہب یہ سکھاتا ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہم رہیں اس کی وفاداری کریں۔ اور یہ تعلیم ایسی ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ماتحت امن سے رہنے پر مجبور ہیں۔

گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ بلکہ جو قربانیاں ہم نے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے کی ہیں وہ بہت بڑی ہیں۔ جس قدر ہم نے قربانیاں کی ہیں وہ گورنمنٹ کے کسی بڑے سے

بڑے افسر نے بھی نہیں کیں۔ ہم نے نہتے اور اکیلے گورنمنٹ کے دشمنوں میں رہ کر دکھ اٹھائے۔ ان کو سمجھایا کہ گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری سے رہو۔ ہماری اس وفاداری کے مقابل پر ایک بڑے سے بڑا سرکاری افسر بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس سے بڑھ کر وفاداری کی۔ جب کبھی گورنمنٹ کے برخلاف شورش ہوئی۔ آفیسر بنگلوں میں بیٹھ کر کام کرتے رہے مگر ہم گورنمنٹ کے دشمنوں میں رہ کر شورش مٹاتے رہے۔ ہم پر عدم وفاداری کا الزام تو وہ لگائے جو فوجیں چھوڑ کر' باڈی گارڈ چھوڑ کر اور دوسری حفاظتیں چھوڑ کر ہماری طرح اکیلے اور نہتے ان لوگوں میں رہ کر جو گورنمنٹ کے برخلاف شورش ڈالتے ہیں کام کرے۔ اور جس طرح ہم گاؤں گاؤں پھر کر یہ کام کرتے رہے ہیں وہ بھی یہ کام کرے۔ اس صورت میں کام کر کے جو افسر ہم سے زیادہ قربانی دکھائے وہ بے شک ہم پر الزام لگائے دوسرے کا حق نہیں۔

غرض میرے نزدیک کسی افسر کا بھی حق نہیں کہ ہماری وفاداری پر شبہ کرے۔ ہم نے اکیلے رہ کر جو کام کیا ہے اسے کئی افسر باڈی گارڈوں کی حفاظت میں بھی نہیں کر سکتے۔ مذہبی طور پر ہمارا یہ فرض ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہم رہیں اس سے وفاداری کریں۔ اور اس وجہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ حکومت کا جو نظام چل رہا ہے اگر اس میں کسی وجہ سے تفرقہ پڑ جائے۔ اور رعایا اور آفیسر بادشاہ کے خلاف ہو جائیں۔ تو ہماری جماعت یقیناً اس وقت بھی بادشاہ معظم کی وفادار ثابت ہو گی۔ اور یہ ہمارا تعلق گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہر حکومت کے ساتھ ہمارا ایسا ہی تعلق ہے۔ جہاں جہاں احمدی ہیں اور جس جس حکومت کے ماتحت وہ رہتے ہیں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ کابل کے ساتھ جو ہمارا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ باوجود اس کے کہ وہاں ہمارے آدمیوں کو صرف احمدی ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ ہمارا ان کے ساتھ یہ تعلق ہے کہ اگر کوئی حکومت اس پر حملہ کرے تو حضرت مسیح موعودؑ کا ان احمدیوں کے لئے جو اس ملک میں بستے ہیں یہی حکم ہو گا کہ وہ حکومت کابل کی طرف سے لڑیں۔ نہ ان کی طرف سے جنہوں نے افغانستان پر حملہ کیا۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی حکم ہے۔ جو ترکوں کے ماتحت ہیں۔ یا اور دوسری حکومتوں کے ماتحت رہتے ہیں۔ غرض احمدی تو کسی طرح بھی کسی حکومت کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بانی سلسلہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہر ایک احمدی کے لئے یہی حکم ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس کے ساتھ وفاداری کا برتاؤ کرو۔ اور اسی حکم کے مطابق ہم نے خطرناک مقاموں پر گورنمنٹ کی وفاداری کی اور صرف دین کی خاطر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

حکم کے ماتحت کی۔

مسٹر گاندھی نے گورنمنٹ کے خلاف زور لگایا۔ گورنمنٹ نے اس کا کیا کرلیا۔ پھر ہم جو گورنمنٹ کے برخلاف کچھ نہیں کرتے۔ اگر چپ ہو رہتے اور ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش نہ کرتے۔ جو گورنمنٹ کے خلاف شور ڈال رہے تھے تو ہم کو کیا خوف ہو سکتا تھا۔ کلکتہ اور دوسرے مقامات پر ڈاکٹر مونجے اور پنڈت مالوی کے خلاف گورنمنٹ نے حکم دیا کہ لیکچر نہ دو مگر وہ کھلے طور پر ان حکموں کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ گورنمنٹ ان کا کچھ نہ کر سکی۔ پونا میں ڈاکٹر مونجے کو حکم دیا گیا کہ وہ وہاں لیکچر نہ دیں۔ مگر وہ لیکچر دے گئے اور گورنمنٹ ان کا کچھ نہ کر سکی۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ جو قانون توڑتے ہیں گورنمنٹ ان کا کچھ نہیں کر سکتی تو ہم جو گورنمنٹ کے کسی قانون کو نہیں توڑتے ہم کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہتے اور اس طرح وفاداری نہ کرتے تو کیا گورنمنٹ ہم کو قید خانوں میں ڈال دیتی؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یا حضرت خلیفہ اول نے یا میں نے کبھی ان خدمات کے صلہ میں جو بحیثیت قوم ہم نے گورنمنٹ کی کی ہیں ایک پیسہ کی درخواست بھی گورنمنٹ سے کی ہے؟ کبھی کسی انعام کی خواہش کی ہے؟ کبھی کسی خطاب یا زمین یا جائیداد کی آرزو کی ہے؟ کیا اس چالیس سالہ خدمت اور وفاداری کے بدلے ہم نے کسی انعام کے لئے گورنمنٹ سے کہا ہے۔ کیا کوئی گورنمنٹ کا افسر ہماری ایسی درخواست پیش کر سکتا ہے۔ میں گورنمنٹ کے تمام افسروں کو اس بات کا چیلنج دیتا ہوں کہ وہ بتائیں کیا کبھی کوئی ایسی درخواست ہماری طرف سے پیش ہوئی ہے۔ میں تمام افسروں سے کہتا ہوں کہ کیا بانی سلسلہ یا خلفائے سلسلہ میں سے کسی نے اس خدمت اور اس وفاداری کے عوض کسی انعام یا کسی جاگیر یا کسی خطاب یا روپے یا زمین کے لئے ان کے پاس درخواست کی۔ یا اشارۃً یا کنایۃً کبھی ان سے کہا ہے۔ قومی وفاداری کے بدلہ میں قوم کا بہ حیثیت قوم نیک سلوک کا مطالبہ ناجائز بھی نہیں ہوتا لیکن ہم سے تو گورنمنٹ نے بہ حیثیت قوم بھی کبھی کوئی سلوک نہیں کیا۔ دوسری اقوام کے احساسات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مگر ہمارے بزرگوں کو گالیاں دینا گورنمنٹ کے نزدیک کوئی حرج ہی نہیں ہے۔ پس اگر ہم سوالی بن کے ان کے دروازوں کے پاس نہیں گئے۔ تو کیا حق ہے ان لوگوں کا کہ وہ ہماری وفاداری کے متعلق کوئی شبہ کریں۔ اگر ہم نے گورنمنٹ کی وفاداری کی ہے۔ اگر ہم نے گورنمنٹ کی خدمت کی ہے۔ تو قرآن اور حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے کی ہے۔ پس یہ احسان ہے گورنمنٹ پر آنحضرت ﷺ کا۔ یہ

احسان ہے گورنمنٹ پر قرآن شریف کا۔ یہ احسان ہے گورنمنٹ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کہ انہوں نے گورنمنٹ کے لئے ایسے وفادار اور ایسے خدمت گذار پیدا کر دیئے۔ جو بالکل بے لوث وفاداری کرتے ہیں۔ اور جو خدمت کر کے کسی قسم کا لالچ نہیں کرتے۔ اور اس کے مقابل گورنمنٹ کا ہم پر اس سے بڑھ کر کوئی احسان نہیں۔ جتنا اس کا احسان مسٹر گاندھی اور مسٹر داس پر ہے۔ پس نہ ہم ڈر سے اور نہ لالچ سے گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے اور قرآن اور آنحضرت ﷺ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم میں کسی جگہ بھی میں یہ دیکھتا کہ گورنمنٹ کی مخالفت بھی کسی موقع پر ضروری ہے۔ تو میں ایسا ہی کرتا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم میں یہ بات ہے ہی نہیں۔ بلکہ جا بجا ہر اس گورنمنٹ سے وفاداری کا حکم ہے جس کے ماتحت احمدی رہتے ہوں۔ پس ہم ڈر کر یا لالچ سے وفاداری نہیں کرتے۔ بلکہ مذہبی فرض سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی افسر سمجھتا ہے کہ ہماری وفاداری دکھاوے کی ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہمیں ڈر ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ہم امن سے زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں۔ اور خدا کے فضل سے مجرم نہیں ہیں۔ لیکن اس ملک میں تو گورنمنٹ کی غلطیوں سے اور ناواجب خوف سے مجرم اور گورنمنٹ کے قانون توڑنے والے لوگ بھی مزے سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

گورنمنٹ ثابت تو کرے کہ حضرت مسیح موعودؑ یا آپ کی جماعت سے گورنمنٹ نے جو کچھ سلوک کیا وہ احسان تھا۔ کیا گورنمنٹ کا کوئی افسر یا کوئی اور آدمی ثابت کر سکتا ہے کہ جو کچھ گورنمنٹ نے حضرت مسیح موعودؑ اور ہمارے ساتھ سلوک کیا وہ فرائض سے بالا تھا۔ (سوائے ایک دو ایسے معاملات کے جو اخلاقی مدد کہلا سکتے ہیں۔ جیسے کہ مبلغینِ روس کے لئے کوشش وغیرہ) گورنمنٹ نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کیا۔ اور فرض ادا کرنا حقیقی احسان نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہیں کہ ہم نے حفاظت کی۔ تو میں یہ کہوں گا کہ یہ حفاظت تو مسٹر گاندھی کی بھی کی۔ اگر مسٹر گاندھی پر چند لوگ حملہ کر دیں۔ اور اگر مسٹر گاندھی کی جان خطرہ میں ہو تو کیا حکام وہاں بھی چند سپاہی پولیس کے نہ بھیجیں گے۔ پس یہ فرائض ہیں۔ اور اگر گورنمنٹ ان فرائض کو ادا کرتی ہے تو وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کرتی۔ ان فرائض سے بالا کسی ایک فائدہ کا ہی گورنمنٹ پتہ دے۔ جو اس نے ہمیں پہنچایا ہو۔ اور جس کے متعلق وہ یہ کہہ سکے کہ ہم نے قومی خدمت کے عوض میں ایسا کیا ہے۔

گورنمنٹ کوئی ایسا فائدہ بتا سکے یا نہ بتا سکے۔ ہماری جماعت بہرحال گورنمنٹ کی وفادار ہی

رہے گی۔ اور یہی حضرت مسیح موعود کی تعلیم ہے اور ہم اسی تعلیم پر چلتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ ہم میں موجود نہیں۔ وہ فوت ہو چکے اور اب آپ کی تعلیم کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کتنا ہی نازک اور برا موقع آجائے اگر کوئی گورنمنٹ کے رعب اور وقار کو قائم رکھ سکتا ہے تو وہ احمدی جماعت ہے۔ لالچ کی تو کوئی وجہ نہیں اور ڈر اسے پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی وجہ سے وہ وفاداری کرتی ہے۔ اور وفاداری کرنے کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے جو جو سختیاں اس پر ہوئیں۔ وہ کسی اور پر نہیں ہوئیں۔ ان سختیوں کے باوجود وہ گورنمنٹ کی وفادار ہے۔

آج کل گورنمنٹ کی مخالفت آسان ہے۔ اور اس سے وفاداری کرنا مشکل۔ مسٹر گاندھی کو کبھی پتھر نہیں پڑے۔ نہ کبھی مالوی جی کو پتھر پڑے۔ لیکن ہمیں گورنمنٹ کی وجہ سے پتھر پڑے۔ ہمارے لئے کنوؤں سے پانی لینا بند کیا گیا۔ مقدمات میں گھسیٹا گیا۔ ہم سے مقاطعہ کیا گیا۔ مگر پھر بھی ہم نے اپنے اصل کو نہیں چھوڑا۔

ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر شخص جو کسی کو امام مانتا ہے وہ اسے گورنمنٹ پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے ہر اک سچا احمدی خلیفۃ المسیح کو سب دنیوی حکام پر ترجیح دے گا۔ مگر جب کہ احمدیت کی مذہبی تعلیم یہ ہے کہ ہر اک گورنمنٹ سے وفاداری کرو۔ تو یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی وقت کوئی خلیفہ کسی گورنمنٹ کے خلاف فساد کرنے کا حکم دے گا۔ یا اس کے احکام کے توڑنے کی تعلیم دے گا۔

اگر کہو ممکن تو ہے کہ کسی وقت گورنمنٹ کے احکام اور خلیفہ کے احکام میں اختلاف ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل ممکن ہے۔ لیکن باوجود اس کے فساد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلامی تعلیم نے ان سب امور کا علاج پہلے سے تجویز کیا ہوا ہے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ امام جماعت احمدیہ کسی وقت کوئی ایسا حکم دے جو کسی گورنمنٹ کے حکم کے خلاف ہو۔ مگر باوجود اس احتمال کے فساد کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں جماعت کے لوگوں کا فرض ہوگا۔ کہ وہ خلیفہ وقت کو توجہ دلائیں کہ ان کا حکم گورنمنٹ کے خلاف ہے۔ آگے دو صورتیں ہوں گی۔ یا ان لوگوں کا خیال غلط ہو گا۔ تب تو یہ جھگڑا آپ ہی طے ہو جائے گا۔ یا پھر ان کا خیال درست ہو گا اس صورت میں خلیفہ وقت کا فرض ہو گا کہ وہ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرے۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو اپنے حکم کو بدل دے۔ اور اگر یہ مناسب نہ سمجھے تو گورنمنٹ کو توجہ دلائے کہ اس کا حکم احمدی جماعت کے مفاد کے خلاف ہے۔ یا ان کی مذہبی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ اس حکم کو بدل دے۔ اگر

گورنمنٹ نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا تو فبہا اور اگر نہ تسلیم کیا تو خلیفہ وقت غور کرے گا کہ کیا اس کا حکم کسی ایسے امر کے متعلق ہے۔ جسے حکومت کی خاطر ترک کیا جا سکتا ہے۔ یا کسی ایسے امر کے متعلق ہے۔ جسے کسی صورت میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ایسا معاملہ ہوا کہ جسے ترک کیا جا سکتا ہے۔ تو وہ اس مقام پر پہنچ کر اپنے حکم کو بدل دے گا اور اگر اس کے نزدیک وہ معاملہ اہم ہوا۔ جسے شرعاً چھوڑا نہیں جا سکتا۔ تو حسب حکم شریعت وہ اپنی جماعت کو حکم دے گا کہ امن کے ساتھ وہ اس گورنمنٹ کے علاقہ سے نکل جائے۔ ہر اک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس تعلیم کے ماتحت کوئی فساد ہو ہی نہیں سکتا۔

زیر بحث سوال کے متعلق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا بھی ایک فیصلہ موجود ہے۔ گورنمنٹ اس فیصلہ پر ہی غور کر کے ہدایت پا سکتی تھی۔ انجیل میں لکھا ہے کہ ان کے پاس کچھ لوگ آئے۔ انہوں نے قیصر کو جزیہ دینے کے متعلق دریافت کیا۔ ان کا مطلب یہ تھا۔ کہ کسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو پھنسائیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو کیا ہی لطیف جواب دیا کہ جو "قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو" (متی ۱۲ : ۲۱) جس کا مطلب یہی ہے کہ میں قیصر کا مخالف نہیں ہوں۔ کیوں نہ اس افسر نے یہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیا۔ یہی منشاء حضرت مسیح علیہ السلام کا اس جواب سے تھا کہ میرے اور قیصر کے احکام کے درمیان کبھی ٹکراؤ نہ ہو گا۔ وہ جانتے تھے کہ میری تعلیم قیصر کے مخالف نہیں۔ اسی لئے تو انہوں نے ان کو ایسا کہا کہ جو قیصر کا ہے قیصر کو دو۔ اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔ یعنی ملک میں بدامنی اور شورش پیدا نہ ہونے دو۔ حضرت مسیح نے ان کو بتا دیا کہ قیصر کی حکومت ہے۔ اور جس کی حکومت ہو اگر وہ مانگے تو اس کو جزیہ دینا چاہئے۔ تم اسے بھی دو کہ امن قائم رہے۔ اور خدا کا حق بھی ادا کرو کہ وہ بھی خوش رہے۔ حضرت مسیح نے جو کچھ ان کو کہا وہ اسی تعلیم کے مطابق تھا جو تمام نبی دیتے چلے آئے۔ لیکن باوجود اس حکم کے کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنا درجہ قیصر سے کم سمجھتے تھے۔ ہاں وہ خود شریعت کے حکم کے مطابق اس کے فرمانبردار تھے۔ اور مسیحؑ کے ماننے والے دونوں کے فرمانبردار اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم قیصر کے احکام کے برخلاف نہ تھی۔ اس لئے مسیح اور قیصر کے احکام کا کبھی ٹکراؤ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر ہو جاتا تو وہ بھی یہی حکم دیتے جو دوسرے نبی دیتے آئے۔ اور جو رسول کریم ﷺ نے دیا۔

گورنمنٹ کا حکم دنیاوی امور میں ہے لیکن مذہب میں نہیں۔ اور اگر گورنمنٹ مذہب میں

دست اندازی نہ کرے گی تو کوئی ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر باوجود اس بات کے کہ دنیاوی امور میں امام بھی گورنمنٹ کے احکام کے ماتحت ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے اور گورنمنٹ کے حکم میں کوئی ٹکراؤ ہو۔ گورنمنٹ مذہبی امور میں دست اندازی کرے۔ اور باوجود اس بات کی کوشش کے کہ وہ اس دست اندازی کو چھوڑ دے۔ گورنمنٹ دست اندازی نہ چھوڑے۔ تو اس صورت میں بھی یہی ہوگا۔ کہ امام یہ کہے گا کہ چونکہ ہمارے مذہب میں دخل دیا گیا ہے۔ اور کوئی صورت سلجھاؤ کی نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہم اس ملک سے نقل مکانی کر کے کہیں اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہم ملک میں فساد نہیں کر سکتے بلکہ اس ملک کو چھوڑ سکتے ہیں۔

بہرحال آسمانی حکومت کا نائب ہونے کے لحاظ سے امام جماعت احمدیہ کو درجہ میں گورنمنٹ پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ شریعت کے حکم کے مطابق جس گورنمنٹ کے ماتحت رہے اس کے احکام کی اتباع کا پابند بھی ہے۔ پس چونکہ گورنمنٹ مذہب میں دست اندازی نہیں کرتی۔ اس لئے یہ صاف ہے کہ اسے امام جماعت احمدیہ سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر گورنمنٹ مذہبی امور میں دخل دے گی۔ اور ان میں دست اندازی کرے گی۔ تو پھر کوئی احمدی گورنمنٹ کی بات نہیں مانے گا۔ اور اس صورت میں امام جماعت احمدیہ کا فرض ہوگا۔ کہ گورنمنٹ پر حجت تمام کر کے اس کے ملک سے نکل جانے کا اپنی جماعت کو حکم دے۔ لیکن اگر گورنمنٹ نہ تو اپنے حکم کو بدلے اور نہ ملک سے نکلنے کی اجازت دے۔ تب بے شک احمدی آزاد ہوں گے کہ انسانیت کے ابدی حقوق کی حفاظت کے لئے جو کچھ چاہیں کریں۔ پس احمدیت کی تعلیم نہایت امن پسند ہے۔ اور اس کے مطابق فساد کا کوئی خطرہ نہیں۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کو فخر کرنا چاہئے کہ اسکے ملک میں ایسی با امن لیکن اپنے اصول کی پکی جماعت پائی جاتی ہے۔

میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ گورنمنٹ کی آنکھیں کھولے۔ تا وہ اس حقیقت کو سمجھے کہ جو مذہب اپنی تعلیم کے لحاظ سے پرامن ہے وہ فساد نہیں کر سکتا۔ اور اس کا کسی حکومت سے ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔ خدا ان کو یہ بھی توفیق دے کہ وہ سوچیں کہ اگر دنیا میں ان کی حکومت قائم ہے تو ان کے اوپر بھی ایک حکومت ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی حکومت ہے کسی کے دین اور مذہب میں دست اندازی اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کسی کے دین اور مذہب میں دست اندازی نہ کریں۔ کیونکہ یہ عقل سے بعید ہے۔ اور عقلمند انسان اپنے دائرہ سے باہر نہیں جایا کرتا۔ بلکہ اس دائرے کے اندر رہ کر سب کام کیا کرتا ہے۔

(الفضل ۸/ جولائی ۱۹۲۷ء)